

والے تیر انداز کے لیے تیر بنا نے والے اور ہاتھ میں ٹھانے والے جنت میں چلے جائیں گے۔ اگر جنت میں جانے کے لیے افغانستان اور فلسطین کے محاذ ہی درکار ہوتے تو سب انسان کیسے جنت میں جا سکتے تھے۔ جو محاذ اللہ تعالیٰ نے اس وقت آپ کے پسروں کر رکھا ہے اسی پر جان لگا کر کام پورا کریں۔ یہی جنت کی راہ ہے۔ پتا نہیں محاذ جنگ پر کیا پیش آئے۔ اسی لیے ہمیں تو اس بات سے بھی منع کیا گیا ہے کہ یہ آرزو کریں کہ حضورؐ کے زمانے میں ہوتے۔ اس طرح کی سوچ اللہ کے فیصلے پر عدم رضا ہے۔ اس زمانے میں تو ابوالہب اور عبد اللہ بن ابی بھی تھے، پتا نہیں ہم کہاں ہوتے۔

اطمینان بھی فی نفس مطلوب نہیں، ایمان اور عمل مطلوب ہیں۔ اپنے کسی عمل پر یہ اطمینان کہ اب ہم جنت میں چلے جائیں گے، بہت مہلک ہے۔ جو مطلوب حالت ہے وہ **لَوْيَدُغُونَ رَبَّهُمْ حَوْفَا وَطَمْعاً** (اپنے رب کو خوف اور طمع کے ساتھ پکارتے ہیں۔ السحدہ ۱۶:۳۲) کی حالت ہے۔

اللہ جس راہ سے آپ کو جنت میں پہنچانا چاہتا ہے، اس سے غیر مطمئن ہو کر کوئی دوسرا راہ کیوں تلاش کرتی ہیں؟ ہر معاملہ اس پر چھوڑنے میں اطمینان ہے۔ اس نے آپ پر اتنے خصوصی انعامات کیے ہیں کہ ان کا شکر ادا کرنا آپ کے بس میں نہیں۔ اس نے آپ کو اپنے قرب کی خواہش عطا کی ہے، یہ ایک ایسی بے بہانگت ہے جس کا کوئی بدلتی نہیں۔ اس نے آپ کو اپنے قرب کے راستے پر لا کر کھڑا کر دیا ہے، یہ خود کچھ کم قیمت نہیں، مگر اس نے تو آپ کو اس راہ پر قدم بڑھانے کی توفیق بھی عنایت کی ہے۔ یہی نہیں، بلکہ جب آپ سے خطا ہو جائے تو اس پر تکلیف اور ندامت اور واپس پہنچنے کی دولت بھی دی ہے اور سب سے بڑھ کر، جس کے آگے سب نادار بحث اور فقیر ہیں، اس کے آگے اعمال کے لحاظ سے اپنی کم مالگی اور ناداری کا احساس بھی دیا ہے۔ ان سب باتوں کا آپ نے خود اقرار کیا ہے۔ آپ کو تو خوشی سے بھر جانا چاہیئے نہ یہ کہ بے چینی اور اضطراب، مایوسی اور کم حوصلگی کا شکار ہو جائیں۔ ایسی زندگی جس میں آپ بار بار اپنے محبوب کی طرف پلٹ کر آئیں بڑی لذیذ ہونا چاہیئے نہ یہ کہ آپ کے لیے یہ بار بار جائے۔ جو شکر کریں وہی مزید پاتے ہیں۔ یہ سب پا کر آپ زندگی سے فرار کا کیوں سوچیں۔ جب ایک دفعہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو طریق نبوت عطا کر دیا ہے، تو طریق تصوف اور رہبانیت پر کیوں جائیں۔

امید ہے کہ میری یہ چند باتیں آپ کے لیے کچھ مفید ثابت ہوں گی۔ (خرم مراد، ۱۹۹۲ء)

گھریابی کی نوکری کی ترجیح

س: شادی سے قبل میری بیوی ہبتال میں نہ تھی۔ نکاح کے وقت یہ بات طے پائی تھی کہ

شادی کے بعد نوکری کروانا یا نہ کرونا میری مرضی ہوگی۔ شادی کے بعد میری بیوی نے مجھ سے کہا کہ میرا ڈپلومہ مکمل ہونے میں سات ماہ لگیں گے۔ آپ مجھے نوکری کرنے دیں پھر میں چھوڑ دوں گی۔ اسی دوران میری والدہ کا انتقال ہو گیا۔ کچھ عرصے کے بعد میری بیوی نے پھر نوکری کرنے کے لیے کہا تو میں نے سمجھایا کہ بوڑھے والدہ چھوٹے بہن بھائیوں کو توجہ کی ضرورت ہے، اس لیے نوکری کرنا مناسب نہیں۔ اس پر وہ ناراض ہو کر لاہور اپنے میکے چلی گئی اور ایک ہسپتال میں جا کر نوکری شروع کر دی۔

کچھ عرصے بعد میں نے سرال والوں سے رابطہ کیا اور مسئلے کے حل کی کوشش کی لیکن انہوں نے کوئی تعاون نہ کیا۔ میں نے اپنی بیوی سے بات کی مگر وہ بھندھی کہ اسے نوکری کرنی ہے، چاہے میں اسے طلاق دے دوں۔

میرا ایک بیٹا بھی ہے۔ بوڑھے والدہ اور چھوٹے بہن بھائیوں کی بھی مجھ پر ذمہ داری ہے اور ان کے بھی حقوق ہیں۔ بیوی کو چھوڑتا ہوں تو بچے کا مستقبل اور گھر کے تباہ ہونے کا خیال آتا ہے لہور جانا بھی حال ہے۔ میں اپنی بیوی کی تمام ضروریات بھی پوری کرتا رہا ہوں لیکن وہ نوکری چھوڑنے کے لیے کسی طرح بھی تیار نہیں۔ اس الجھن کا قرآن و سنت کی روشنی میں کوئی حل بتائیے تاکہ مسئلہ حل ہو سکے۔

ج: آپ کے خط سے اس توثیق میں مزید اضافہ ہوا کہ ہم ایک ایسے معاشرتی بحران کا شکار ہو چکے ہیں جس کا ہمیں اب بھی پوری طرح احساس نہیں ہے۔ گھر اور خاندان اسلام کا وہ امتیازی ادارہ ہے جو ایمان، عفت و عصمت، اخلاق اور معاملات کی پہلی درس گاہ اور تجربہ گاہ ہے۔ اسی بناء پر شیطان کی ذریت جب اسے بتاتی ہے کہ انہوں نے کسی گھر میں تفرقہ ڈالا دیا تو وہ اس کام کو تمام خرابیوں سے زیادہ اہم سمجھتے ہوئے اپنی ذریت کو شتاباش دیتا ہے۔

آپ نے جو حالات لکھے ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ نکاح سے قبل آپ نے اپنی الیہ کے گھر والوں سے ان کی ملازمت کے سلسلے میں واضح طور پر بات کر لی تھی اور ان کو اس کا پاس کرنا چاہیے۔ خود آپ کی الیہ کا بھی فرض ہے کہ وہ پروفیشن کو خاندان پر اہمیت نہ دیں۔ ہمارے معاشرے میں بہت سے افراد نے یہ سمجھ لیا ہے کہ گھر میں اچھا ماحول کا پیدا کرنا، اور اولاد کی صحیح تربیت کرنا ایک کم تر جہاد ہے، جب کہ کسی ہسپتال یا دفتر میں کام کرنا جہاد اکبر ہے۔ اس کی کوئی بیاد دین میں نہیں ہے۔ اگر ایک خاتون اپنی بنیادی ذمہ داری، یعنی تربیت و تعلیم اولاد کے ساتھ اتنا وقت نکال سکتی ہے کہ وہ کوئی رفاهی یا فنی کام کر سکے تو

دین میں اس کی کوئی ممانعت نہیں ہے لیکن بیادی ذمہ داری کو نظر انداز کر کے محض حقوقی نسواں کا جھنڈا اپاٹھ میں لے کر اپنے گھر کو تباہ کر دینا انسانی حقوق کی پامالی ہے۔ آپ کے سرال والے اگر آپ سے تعاون پر آمادہ نہیں ہیں تو آپ خود اپنی الہیہ کو محبت و نرمی سے سمجھائیں کہ جو کچھ وہ کر رہی ہیں، اس میں خاندان کی بر بادی کے لیے لکھا خطرہ ہے۔

آپ کے بوڑھے والد اور چھوٹے بھائی بہنوں کا آپ پر اتنا ہی حق ہے جتنا آپ کی الہیہ اور بچے کا۔ اس لیے دونوں میں توازن ضروری ہو گا۔ اگر گھر والوں کو چھوڑ کر لا ہور جانے سے حالات بہتر ہونے کی زیادہ امید ہو تو آپ والد صاحب اور بھائی بہنوں کو اعتماد میں لے کر اور ان کی دلکشی بھال کا بندوبست کر کے یا ان کے ہمراہ لا ہور جانے پر بھی غور کر سکتے ہیں۔ اگر آپ کی الہیہ کام کرنے پر بہت زیادہ مصر ہوں تو وہ آپ کے شہر میں کسی اچھے ہسپتال میں بھی کام کر سکتی ہیں تا کہ بچے اور آپ کے قریب ہوں۔

در اصل یہ سارے معاملات باہمی افہام و تفہیم اور اللہ تعالیٰ کے خوف اور اس کی خوشی کو سامنے رکھتے ہوئے باہمی تبادلہ خیال سے طے کرنے کے ہیں، اس میں کوئی ایسا فتحی نہیں میرے علم میں نہیں کہ اسے استعمال کرتے ہی تمام معاملات حل ہو جائیں۔ قرآن و سنت یہی بتاتے ہیں کہ اختلاف کی شکل میں خود عدل کے ساتھ معاملات پر غور کیا جائے، گھر کے بزرگ افراد کو حکم بنا کر مسئلے کا حل نکالا جائے اور آخر کار قانونی امداد سے کوئی صورت نکالی جائے۔ (ذاکثر انیس احمد)

- ☆ تو سچ اشاعت ہم میں اپنا کروادا کیجیے۔
- ☆ فردخت میں اضافے کی شعوری کوشش کیجیے۔
- ☆ سلسلہ میں کے ڈن سے کام لے کر مدد اور احتیار کیجیے۔
- ☆ زیادہ سے زیادہ افراد تک پہنچائیے۔
- ☆ زیادہ سے زیادہ بک امثالوں پر مناسب ڈسپلے کے ساتھ درکوایے۔
- ☆ رسالہ کو پہنچانا گاہک کی نہیں اپنی خرض کیجیے۔
- ☆ مستعد سروں دیجیے۔
- ☆ وصولی کیجیے اور بروقت ادا گی کیجیے۔

ایمیج نیٹ

حضرات

گزارش

ہر دفعہ آرڈر میں اضافہ ہو، یہی کارکردگی رہے।